© rasailojaraid.com

بحث ونظر

ایک سورہ کی تفسیر پر کچھ معروضات

جناب نور الٰہی صاحب ایڈووکیٹ ۔ گجرات

مئی ۱۹۸۶ء کے ترجمان القرآن میں پروفیسر آسی ضیائی صاحب نے سورۃ العصر کی تفسیر پر کچھ اشکالات پیش کیے ہیں اور لکھا ہے کہ مفسرین اس سورۃ کی جس طرح تشریح کرتے رہے ہیں، اس سے ان کا شرح صدر نہ ہو سکا، چنانچہ انہوں نے اپنی رائے سے ایک نئی تفسیر پیش کی ہے اور اس خواہش کا اظہار فرمایا ہے کہ اہلِ علم ان کے نقطۂ نظر کی توثیق کریں۔

مَیں نے یہ مضمون ایک طالب علم کی حیثیت سے پڑھا ہے۔ اس میں درجِ ذیل اُمور محلِ نظر ہیں:

۱۔ پروفیسر صاحب نے اس سورۃ کے نزول کا پس منظر اس طرح بیان کیا ہے کہ ابتدائی مکی دور میں جب مٹھی بھر ایمان لانے والے آزمائشوں میں گھر چکے تھے .... اس وقت اس معاشرے کے کھاتے پیتے لوگوں .... نے طنزاً یا ازراہِ ہمدردی اُن سے کہا ہوگا کہ تم کیوں خود کو مصیبت میں ڈالتے ہو .... ! دیکھو زمانہ گواہی دے رہا ہے کہ تم خسارے کا سودا کر رہے ہو ...... اس طرح کی باتیں سُنتے سُنتے مسلمانوں کو بھی اپنے مستقبل کے بارے میں کچھ اضطراب قدرتاً ہوا ہوگا اور نہ بھی ہوا ہو گا تو کم از کم ان باتوں کا جواب تو ظاہر ہے ان کے پاس کچھ نہ تھا۔ ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ مختصراً اور بلیغ جواب دیا گیا کہ زمانہ تو پوری نوعِ انسانی کے خسارے کی گواہی دے رہا ہے۔ یہ شانِ نزول پروفیسر صاحب کے اپنے ذہن کی اختراع ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ تفسیر فتح العزیز میں فرماتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"سبب نزول این سورہ آنست کہ کلدہ بن اسید کہ اورا ابوالاسید نیز گویند
کافرے بود کہ با امیرالمومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ در عہدِ جاہلیت ہم صحبت بود۔ بعد از
اسلام حضرت ابوبکر صدیقؓ روبروے بایشاں درخورد و گفت کہ یا ابابکر ہمیشہ از زیرکی و
ہوشیاری در تجارت و سوداگری سود مند می شُدی۔ حالا ترا چہ شد کہ یکبارہ بایں مرتبہ
زیان کار گشتی کہ دینِ پدرِ خود را گذاشتی و از عباداتِ لات و عزیٰ محروم ماندی و از
شفاعتِ ایشاں نا امید شُدی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ در جوابِ آن ناداں فرمود کہ ہر کہ
حق را قبول کند و کارِ نیک پیش گیرد زیاں زدہ نمی شود۔ حق تعالیٰ در بیان این مقاولہ
تصویبِ مقولہ حضرت ابوبکر صدیقؓ این سورۃ نازل فرمود[1]"

ترجمہ:۔ اس سورت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ کلدہ بن اسید جسے ابوالاسید بھی کہتے ہیں۔
ایک کافر تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ اس کے دوستانہ روابط تھے۔
حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اسلام قبول کرنے کے بعد یہ شخص آپ سے ملا اور کہا: اے ابابکر!
تم بڑے عقلمند اور ہوش مند تاجر ہو اور اپنی تجارت میں ہمیشہ فائدہ حاصل کرتے رہے ہو۔
اب تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ تم نے یک لخت اپنی شخصیت کو گرا کر خسارے کا سودا کیا اور
اپنے باپ دادا کا دین ترک کر دیا، لات و عزیٰ کی عبادت چھوڑ دی اور اُن کی شفاعت
سے ناامید ہو گئے ہو۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے نادان دوست کو جواب دیتے ہوئے
فرمایا: "جو شخص حق کو قبول کر کے نیکوکاری اختیار کرے وہ خائب و خاسر نہیں ہے۔
یہ سورۃ نازل فرما کر اللہ تعالیٰ نے اس مکالمہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے قول کو صائب
قرار دیا ہے۔

پروفیسر صاحب کی اختراع اور اس سورہ کے واقعی سببِ نزول کا فرق اہلِ علم پر واضح ہے۔
پروفیسر صاحب اس بات کے مدعی ہیں کہ کفار کے طعنوں کا جواب مسلمانوں کے پاس کچھ نہ تھا، لیکن حضرت ابوبکرؓ
نے اپنے نادان کافر دوست کو جو جواب دیا۔ اس سے پروفیسر صاحب کے بیان کی تردید ہو جاتی ہے۔

[1] تفسیر عزیزی، پارہ عم، ص ۲، ۲۰۵-۲۰۶ ۔ مطبع مجتبائی دہلی ایڈیشن ۱۹۲۹ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲ — پروفیسر صاحب نے خسر (خسارے) کو اس عارضی زندگی تک محدود رکھا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حقیقی خسارہ آخرت کا خسارہ ہے اور حقیقی کامیابی آخرت کی کامیابی ہے۔ قرآن مجید میں اس مضمون کی حامل متعدد آیات ہیں۔ مثلاً:

ا — "اسلام کے سوا جو شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ اور آخرت میں وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔" (آل عمران: ۸۵)

ب — "اور جو کسی نے ایمان کی روش پر چلنے سے انکار کیا۔ اس کا سارا کارنامۂ زندگی ضائع ہو جائے گا۔ اور وہ آخرت میں خاسرین میں سے ہوگا۔" (المائدہ: ۵)

ج — "بے شک خسارہ اٹھانے والے تو وہ ہیں جنہوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا۔" (الشوریٰ: ۴۵)

د — یہی ہیں جنہوں نے اپنے تئیں خسارے میں ڈالا اور جو کچھ وہ افترا کیا کرتے تھے ان سے جاتا رہا۔ بلاشبہ یہ لوگ آخرت میں سب سے زیادہ نقصان پانے والے (اخسرون) ہیں۔" (ہود: ۲۱-۲۲)

ہ — "یہی لوگ ہیں جن کے لیے بڑا عذاب ہے اور وہ آخرت میں بہت نقصان اٹھانے والے (اخسرون) ہیں۔" (النمل: ۵)

و — "اور سن رکھو کہ شیطان کا لشکر نقصان اٹھانے والا ہے۔" (المجادلہ: ۱۹)

ز — "اس وقت جن کے پلڑے بھاری ہوں گے وہ فلاح پائیں گے اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے تئیں خسارے میں ڈالا۔ وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔" (المومنون: ۱۰۲-۱۰۳)

ح — "حضرت شعیبؑ کی قوم میں سے سردار لوگ جو کافر تھے، انھوں نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو تم خسارے میں پڑ جاؤ گے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل کیا اور فرمایا کہ جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا وہ خسارے میں پڑ گئے۔"

(الاعراف: ۹۰ تا ۹۲)

پروفیسر صاحب سے استدعا ہے کہ وہ ان آیات پر غور فرمائیں۔ اگر خسارے کو اس عارضی دنیاوی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زندگی تک محدود نہ کیا جائے تو مفسرین کرام نے اس سورہ کی جو تفسیر بیان کی ہے، اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

۳ ـــ پروفیسر صاحب نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ آخرت میں زمانہ (العصر) کا وجود ہی نہ ہوگا۔ حالانکہ تخلیقِ آدم سے قبل بھی زمانہ کا تصور تھا۔ اور زمانہ آخرت کا بھی احاطہ کیے ہوئے ہے۔ فرمایا گیا:

ا ـــ بے شک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے کہ وہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہ تھا۔ (الدہر ـ ۱)

ب ـــ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، چھ دن میں پیدا کیا۔ (الفرقان ـ ۵۹)

آخرت کے متعلق قرآن مجید میں جابجا، یوم الدین، الیوم الآخر، یوم القیامہ، یوم الفصل، یوم التغابن، الیوم الموعود، یوم الجمع، یوم البعث، یوم الحساب، یوم الخلود وغیرہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ تمہارے پروردگار کے نزدیک ایک روز تمہارے حساب کے رُو سے ہزار برس کے برابر ہے۔ (الحج ـ ۲۲) ـ آلِ فرعون کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ عالمِ برزخ میں وہ صبح و شام آگ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔ (سورۃ المومن ـ ۴۵ ـ ۴۶) ـ یہ صبح و شام اور دنوں اور سالوں کا شمار ظاہر کرتا ہے کہ زمانہ عالمِ برزخ اور عالمِ آخرت کو بھی محیط ہے۔ آخرت کو یوم الدین (روزِ جزا) اور یوم الفصل (فیصلے کا دن) فرمایا گیا ہے (الصافات ـ ۲۰ ـ ۲۱) کیونکہ عالمِ آخرت ہی میں آخری فیصلہ ہوگا کہ کون لوگ فلاح پانے والے ہیں اور کون نقصان اُٹھانے والے ہیں۔ اس دن کو اللہ تعالیٰ نے یوم التغابن یعنی سود و زیاں کا دن فرمایا ہے (ملاحظہ ہو سورۃ التغابن آیت ۹ ـ ۱۰)

آخر میں پروفیسر صاحب سے میری گذارش ہے کہ وہ مولانا حمید الدین فراہیؒ کی تفسیر بھی دیکھیں۔ مولانا مرحوم نے "زمانہ کی قسم کیوں کھائی؟" کے زیرِ عنوان تحریر فرمایا ہے:۔

"پچھلی قوموں پر اللہ تعالیٰ کے جو فیصلے نافذ ہوئے وہ ٹھیک ٹھیک اُن کے اعمال کا بدلہ تھے۔ اگر انہوں نے نیکیاں اور بھلائیاں کیں تو خدا نے اُن کو عروج و کمال بخشا۔ اگر انہوں نے ظلم و فساد کی راہ اختیار کی تو قانونِ الٰہی نے اُن کو تباہ و برباد کر دیا۔ ان ہی حقائق کو یاد دلانے کے لیے خدا نے زمانہ کی قسم کھائی کہ لوگ یاد رکھیں کہ ایک دن اعمال کی اس حقیقت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے لازماً اُن کو بھی دوچار ہونا ہے۔

"پھر زمانہ کی قسم میں ایک اور نازک نکتہ بھی مضمر ہے وہ یہ کہ انسان کا اصل راس المال زمانہ ہی ہے اور اس کا حال یہ ہے کہ تیز روی اور برق رفتاری میں کوئی چیز بھی اس سے بڑھ کر نہیں۔ لیکن یہ انسان کی کیسی نادانی ہے کہ وہ زمانہ کی اس بے وفائی سے واقف ہونے کے باوجود اس پر بھروسہ کرتا ہے اور اپنی زندگی کی بے ثباتی، روزِ قیامت کی باز پرس اور جزائے اعمال کے قانون سے بالکل غافل ہے........

"علاوہ ازیں زمانہ کی تیز روی میں ایک پہلو بشارت اور تقویتِ صبر کا بھی ہے۔ کیونکہ اس تھوڑی سی گذر جانے والی مدت کے صلہ میں اگر انسان چاہے تو اجر و ثواب کا ایک لازوال خزانہ حاصل کر سکتا ہے۔ ایک بدبخت انسان اس حیاتِ چند روزہ کی فانی لذتوں پر ریجھ کر ابدی مسرت و کامیابی سے محروم ہو جاتا ہے، لیکن ایک عاقل اس فانی زندگی کے چند دنوں کے اندر جن کی حقیقت ایک خواب یا برق خاطف سے زیادہ نہیں۔ نفو لی اور ضبطِ نفس کی آزمائشیں جھیل کر اور اس فنا ہو جانے والے باطل اور اس باقی رہنے والے حق پر ثابت قدم رہ کر، جو آنکھوں سے اوجھل ہے، خدا کی خوشنودی اور اس کی محبت کا ابدی تخت و تاج حاصل لیتا ہے۔"[1]

اُمید ہے کہ پروفیسر صاحب میری ان معروضات کی روشنی میں اپنے استدلال پر نظرِ ثانی فرمائیں گے

ایک سورہ کی تفسیر پر کچھ معروضات

(۲)

نعیم صدیقی

ہمارے معزز و بزرگ دانش ور دوست پرنسپل (ریٹائرڈ) آسی ضیائی صاحب نے ایک

---

[1] مجموعہ تفاسیر فراہی، صفحہ ۴۸۱ - ۴۸۲ -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سورہ (سورۂ عصر) پر کچھ "معروضات" پیش کی ہیں۔ ان کو اب تک کی تفاسیر سے اس کا مفہوم سمجھنے میں کامیابی (اور حصولِ اطمینان) نہیں ہوا۔ اُن کا خلاصۂ مطالعہ و تحقیق یہ ہے:

۱۔ تمام انسان (اچھے یا بُرے) بہت بڑے خسارے میں ہیں۔

۲۔ ایک دفعہ یہ خسارہ سب پر نافذ ہو جائے گا۔ اس سے کوئی مستثنیٰ نہیں۔

۳۔ یہ خسارہ موت ہے اور موت کو لازماً خسارہ ہی سمجھا جا سکتا ہے۔

۴۔ موت کے بعد "الّا" کا استثنائی بیان نتیجہ دکھائے گا۔ یعنی خسارہ واقع ہونے کے بعد۔ "اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ" کی صفات رکھنے والوں کو حالتِ خسران سے نکال کر اچھے حالات دیئے جائیں گے۔

۵۔ ضیائی صاحب کا خیال ہے کہ اگر اس سلسلۂ استدلال کو نہ مانا جائے تو قانونِ عروج و زوال کا جو تصور حاصل ہوتا ہے اس کے تحت ستم رسیدہ، آفات چشیدہ اور آلام کشیدہ مسلمانوں کا اخلاقی موقف مضبوط نہیں رہتا۔

مَیں اس خلاصۂ بحث کو سامنے رکھ کر کچھ نکات کو قابلِ غور سمجھتا ہوں:

ایک یہ کہ حرفِ استثناء اِلَّا کے استعمال کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ پہلے تو بیان کردہ نوع یا گروہ کے تمام کے تمام افراد خسارے سے دوچار ہو جائیں گے اور اس میں نیک و بد کی کوئی تمیز نہ ہو گی۔ بعد میں اِلَّا کے اقتضا کے تحت ایک جز کو خسران سے نکال کر فلاح و نجاح سے سرفراز کر دیا جائے گا۔

بلکہ عربی زبان میں "اِلَّا" مجموعی حکم کی زد میں آنے والی صف سے مستثنیٰ افراد کو پہلے ہی سے الگ نکال دیتا ہے۔

سورۂ عصر والے معنوں ہی میں "الّا" کا ایک استعمال سورۂ تین میں ہے۔ اس میں پہلی اصولی بات یہ آئی ہے کہ "لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ"۔ دوسری یہ کہ "ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ۔ (پھر ہم نے اُسے اپنے قوانین کے تحت) اسفل سافلین میں گرا دیا۔" یہاں مغالطہ ہو سکتا ہے کہ سارے ہی انسانوں کے ساتھ یہ معاملہ ہوا۔ جی نہیں، آگے "اِلَّا" کا حرفِ استثنیٰ موجود ہے، یعنی متذکرہ حکم یا فیصلے یا حالت سے انسانوں کے ایک حصے کو بچا لیا گیا ہے۔ ملاحظہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرمایے " اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ " یعنی ایمان اور عملِ صالح کی صفات جن لوگوں نے پیدا کر لیں وہ اسفل سافلین کے مقام تک گرنے سے محفوظ ہیں؎۱ سورۂ عصر میں بھی یہ الفاظ ہیں "اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" اور مزید یہ کہ "وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ" آپس میں حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرنا سورۂ تین میں محذوف ہے، کیونکہ ایمان و عملِ صالح کے ساتھ یہ خوبیاں از خود پائی جاتی ہیں۔ کسی نبیؑ یا پیروِ نبی کی دعوت پر جو شخص ایمان لایا ہو اُس نے اس دعوت کو پھیلانے کا سبق تو سیکھ ہی لیا۔

سورۂ حجر میں ہے:

قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۝ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ۔

یعنی حضرت لوط علیہ السلام سے فرشتے کہتے ہیں کہ ہم تو مجرمین کی قوم (کی خبر لینے کے لیے) بھیجے گئے ہیں سب ماسوائے آلِ لوطؑ کے (یعنی ان پر ایمان لانے والے اقربا و رفقا)۔ لیکن پھر استثناء در استثناء آتا ہے کہ آلِ لوطؑ کو مستثنیٰ کرنے کے معنی یہ نہیں کہ امراۃِ لوط بھی بچ نکلے گی۔ نہیں اس کا معاملہ بھی طے ہے، وہ بھی بچ نکلنے والے گروہ میں سے نہیں ہوگی، پیچھے رہ جانے والوں میں ہوگی۔

اب یہاں یہ مطلب نہیں کہ پہلے ساری قومِ لوط مع آلِ لوط کو ہدف بنا لیا جائے گا۔ پھر بعد میں آلِ لوط کو نکال کر زندگی دے دی جائے گی اور پھر ان میں سے امراۃ لوط کو الگ لے جا کر نشانۂ عذاب بنایا جائے گا۔

میری دوسری گزارش یہ ہے کہ نہ ہر موت یکساں ہوتی ہے اور نہ لازمی طور پر موت خسارے دار

؎۱ اسفل سافلین میں گرنے کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی ایمان و اخلاق سے کلیۃً عاری ہو کر بندۂ نفس بنے۔ اور پہلے انسانی شرف سے محروم ہو کر حیوانی سطح پر آئے اور پھر حیوانی سطح سے بھی گر کر شیطانی پستی تک گر جائے۔ ظاہر ہے کہ ایمان اور عملِ صالح سے آراستہ لوگ ان ساری پستیوں سے محفوظ ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باعثِ شرمناک ہوتی ہے۔ کبھی موت باعثِ ذلت اور کبھی سرمایۂ فخر ہوتی ہے۔ آخرت کے لحاظ سے بھی موت تو ایک دروازہ ہے جس میں داخل ہو کر مجرم ایک طرح کے حالات سے دوچار ہوتا ہے اور محسن دوسری طرح کے حالات سے۔

آئیے موت کی دونوں قسموں کا حال قرآن سے معلوم کریں۔ نکالیے سورۃ النحل!

۱۔ اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا۔

۲۔ اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَیِّبِیْنَ ۙ یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

پہلی صورت میں اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والوں کی طرف فرشتے آتے ہیں تو وہ بڑھ بڑھ کر عاجزی سے سلام مارتے ہیں کہ ہم تو برائی کرنے والے نہیں تھے۔ اور فرشتے کہتے ہیں، کیوں نہیں، اللہ خوب جاننے والا ہے اس کا جس پر تم عمل کرتے رہے ہو۔ پس جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، اس میں ہمیشہ رہنے کے لیے۔

دوسری صورت میں فرشتے پاک صاف لوگوں کی جان لینے آتے ہیں تو انہیں وہ خود سلام کہتے ہیں۔ اور خوش خبری دیتے ہیں کہ سیدھے جنت میں داخل ہو جاؤ، ان اعمال کے بدلے میں جو تم کرتے رہے۔

بلکہ اولیں قسم کی "بدموتی" کی تو اور بھی تصویریں موجود ہیں۔ خصوصاً سورۃ الانعام (آیت ۹۳)

"اور کاش تو دیکھے جب ظالم لوگ موت کی سختیوں کی لپیٹ میں ہوتے ہیں اور فرشتے ہاتھ لمبے کر کے انہیں کہتے ہیں کہ اپنی جانیں نکال کر ہمارے حوالے کرو۔ آج کے دن تم کو ذلت کا عذاب اس جرم کی سزا کے طور پر ملے گا کہ تم جھوٹی باتیں اللہ کے ذمے لگاتے تھے۔ اور اس کی آیتوں سے متکبرانہ اعراض کرتے تھے۔"

بخلاف اس کے آپ کو ان موتوں کا علم ہے جن کو شوق سے پرستارانِ حق نے لبیک کہا۔ مکہ کا میدانِ تنعیم ہو یا مدینہ کے بدر و احد، کہاں کہاں سرفروشانِ دین خاک وخون میں دلی مسرت

© rasailojaraid.com